سوال

(277) بغیر اجازت ولی پڑھایا گیا نکاح جائز ہے یا ناجائز؟

جواب

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

میری بیوہ لڑکی کا نکاح بغیر میری مرضی کے پڑھا دیا جو نکاح بغیر اجازت ولی پڑھایا گیا ہے جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

ہر نکاح میں لڑکی کے ولی کی شرکت لازمی ہے۔ اگر لڑکی مطلقہ یا بیوہ ہے۔ تو اختلاف کی صورت میں اس کی رائے کو ولی کی رائے پر ترجیح دی جائے گی بحکم حدیث شریف الشیبہ احق بنفسھا حنفیہ کے نزدیک ولی کی ضرورت نہیں واللہ اعلم۔ (اہلحدیث امرتسر 27 جمادی الاول 1364 ہجری)

شرفیہ

صورت مرقومہ میں بحکم وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ ۔ الایۃ۔ وبحدیث

لانکاح الا بولی وشاہدین الحدیث رواہ احمد والاربعۃ وصححہ ابن المدینی والترمذي وابن حبان واعلی بالارسال وبحدیث قال صلی اللہ علیہ وسلم ایما امراۃ نکحت بغیر ازن ولیہا فنکاحہا باطل اخرجہ الاربعۃ الاالنسائی وصححہ ابو عوانۃ وابن الجان والحاکم

(بلوغ المرام ص ٧٤) نکاح صحیح نہیں۔ اور بیوہ کی ترجیح مستلزم انعقاد نکاح نہیں اجازت ولی شرط ہے احق اسم تفضیل ہے حق ولی کا بھی ہے۔ (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

لانکاح الا بولی

میں نے عبد الجبار صاحب عمر پوری کا مضمون مندرجہ اخبار اہلحدیث 3 محرم الحرام 1331 ہجری دیکھا۔ جس میں مولانا نے باکرہ وثیبہ کے ساتھ ولی کی شرط کو قائم فرمایا ہے۔ میں نے اپنے مضمون مندرجہ اخبار اہلحدیث 29 نومبر 1912ء میں امام داؤد الظاہری رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کو پسند کرتے ہوئے دو احادیث کی تطبیق سے نتیجہ نکال کر ظاہر یہ کہ مذہب کو راجح بتلایا تھا۔ اب مولانا کے مضمون اور خاکسار کے مضمون میں اس قدر فرق ہے۔ کہ میں صرف ثیبہ کے ساتھ ولی کی شرط کو رفع کرنا چاہتا ہوں۔ اور مولانا باکرہ وثیبہ کے

ساتھ شرط ولی کو قائم کرنا چاہتے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب ولی ارکان صحت نکاح سے نہیں۔ جس کا ثبوت خود مولانا کے مضمون سے ملتا ہے۔ جہاں مولانا نے آیت۔ فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ۔ کی تفسیر وتشریح میں تحریر فرمایا ہے۔ کہ ''وفعل نکاح کی نسبت عورت کی جانب کی گئی ہے۔ سواس کی وجہ یہ ہے کہ نکاح بغیر عورت کی رضامندی وخوشی کے نہیں ہوسکتا۔ کسی کو اس پر جبر کرنے کا استحقاق حاصل نہیں ہے۔ اس لئے اس کی جانب نکاح کی نسبت ہر طرح صحیح درت ہے ''آیت قرآنی اور مولانا کی تشریح سے ظاہر ہے۔ کہ عورت معاملہ نکاح میں خود مختار ہے۔ بغیر رضامندی عورت کے نکاح نہیں ہوسکتا۔ اس کے خلاف منشاء کسی کو حق جبر بھی حاصل نہیں ہے۔ پس جب وہ مجبور نہیں ہوسکتی۔ تو ولی کی شرط کا قیام بھی لغو ہے۔ یہ کیا معنی کے جب عورت کی رضامندی اور خوشی پر عقد موقوف ہو۔ اور پر اس کے ساتھ ولی کی قید بھی لگادی جائے۔ یہی ایک ایسی وجہ ہے۔ کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے باکرہ اور ثیبہ کے ساتھولی کی قید کو مطلق نکال دیا۔ اکثر آئمہ کبار ودیگر اکابر دین نے اس کو تسلیم کرلیا ہے۔ کہ ولی کی نکاح کی شرط نہیں اور نہ اس پر صحت نکاح موقوف ہے۔ میں نے اپنے سابقہ مضمون میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارات کو اسی استدلال میں لکھا ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔

لیس الولی من الرکان صحۃ الکاح بل من تمامہ

یعنی ولی صحت نکاح کا رکن نہیں بلکہ ولی کی حاجت صرف اتمام مقصود کے لئے ہے۔ ''سراج الوہاج ''میں نواب صدیق الحسن خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہی لکھا ہے۔

قالوافکل امراۃ بلغت ذہبی اہق بنفسہا من ولیہا وعقدہا علی نفسہا النکاح صحیح وبہ قال الشعبی والذہري قالواولیس الولی من ارکان صحہ النکاح بل من تمام

یعنی علماء نے کہا کہ جو عورت بالغہ ہو۔ وہ اپنے نفس کی ولی سے زیادہ مستحق ہے کہ وہ اپنا عقد خود کرالے۔ اور ایسا نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ اور یہی امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ امام شعبی دامام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور شعبی وزہری وغیرہ نے کہا ہے کہ ولی ارکان صحت نکاھ سے نہیں بلکہ صرف اتمام حجت کے لیے ہے۔) (اسی طرح امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمایا ہے) غرض یہ مسلمہ ہے۔ کہ ولی صحت نکاح کی شرط نہیں۔ اسی وجہ سے مقدم عورت کی رضامندی سکوت اور اجازت پر موقوف رکھا گیا ہے۔ ظاہر ہے ک عورت ولی کے مجوزہ شخص سے ناراض ہو تو یہ نکاح درست نہیں ہوسکتا۔ پھر ایسی حالت میں ولی کی قید کیوں لگائی جائے۔ جو تشریح مولانا نے آیت مذکورہ کی کی ہے وہ ناقص وغیرہ کافی ہے۔ جس کی تکمیل میں میں نے یہاں تک کیا ہے۔ مگر اتنا تو میں ضرور کہوں گا کہ مولانا نے بھی اپنی عبارت میں عورت کی رضامندی کو مقدم کرکے اس کو جبر وتعدی سے بری رکھا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ولی کی شرط کو قائم کرلینا البتہ محل اعتراض ہے۔ میں نے مضمون سابقہ میں ثیبہ کے ساتھ بنص صریح ولی کی شرط کو رفع کرتے ہوئے عقلا اس کی تجربہ کاری کی وجہ بتائی تھی۔ جس پر مولانا نے اعتراض کرکے دلیل پش کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک عورت کی شہادت نقصان کی وجہ سے نہیں لی جاتی۔ بلکہ دو عورتوں کی شہادت بمنزلہ ایک مرد کی گواہی کے ہوتی ہے۔ مگر مولانا نے اس ضرب المثل کا بالکل خیال نہ کیا۔ کے دیوانہ بھی اپنے مطلب کا سیانہ ہوتا ہے۔ شہادت کا قیاس انسان کے ذاتی نفع نقصان پر مبنی ہوتا ہے۔ اور شخص ثالث کے لئے شہود کی ہمدردی اس قابل نہیں ہوسکتی۔ کہ حاکم مجرد ایک عورت کی گواہی پر اعتماد کرلے ظاہر ہے کہ ذاتی نفع نقصان کو ایک حدتک مجنون بھی سمجھ بوجھ سکتا ہے۔

بعض معاملات میں ذاتی امور پر فوری تصفیہ کردیا جاتا ہے۔ مثلا اگر زانی خود کہہ دے کہ میں نے زنا کیا ہے۔ تو وہ حدود یا رجم کا بلاضرورت شہود مستحق ہوجاتا ہے۔ اقبالی ڈگریں برابر نافذ ہواکرتی ہیں۔ غرض یہ کہ مسئلہ شہود اور ہے۔ اور بحث نکاح اور اور اسکے قطع نظر تجربہ کاری سے میرا مقصود یہ نہیں کہ وہ عقل کی پختہ ہوجاتی ہے۔ بلکہ اس کا اپنے پہلے شوہر کے طرز معیشت اور طریقہ خانہ داری اور امور نفع ونقصان پر غور کرکے دوسرے خاوند کو اپنے اس تجربہ کے لحاظ سے خود بلادلی کے تجویز کرسکتی ہے۔ چنانچہ اس حدیث میں جابر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ثیبہ کے جس تجربہ کا اظہار کررہا ہے۔ وہی مرا مقصود اصلی ہے۔

عن جابر بن عبد اللہ رضی للہ عنہما ان عبد اللہ ہلک وترک تسع بنات اوقال سبع بنات فتزوجت امراۃ ثیبا فقال فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا جابر فی تزوجت قال قلت نعم ال فبکرام شیب قال قلت بل شیب یا رسول اللہ قال فہلا جاریۃ تلاعبہا وتلاعبک اوقال تضاحکہا وتضاحک قال قلت لہ ان عبد اللہ ہلک وترک تسع بنات او سبع بنات وانی کرہت ان اتیتہن او احیتہن بمثلہن فاجبت ان اجی بامراۃ تقوم علیہن وتصلحہن قال فبارک اللہ لک اوقال لی خیرا

خلاصہ اس حدیث کا یہ ہے۔ کہ ''حضور ﷺ نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ تم نے ایک باکرہ لڑکی سے عقد کیوں نہ کرلیا۔ جو تم اس سے ہنستے کھیلتے اور وہ تم سے ہنستی کھیلتی

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ عبد اللہ نے 9 یا 7 لڑکیاں چھوڑ کرا نتقال کیا ادن کی پرورش اور اصلاح حال و بہبودی کےلئے ایک تجربہ کار ثیبہ کے عقد ہی کو میں نے پسند کیا۔''

اس حدیث کے ملاحظہ سے واضح ہوگیا۔ کہ میں نے مضمون سابقہ میں جس ثیبہ کے تجربہ کاری کا اظہار کیا ہے۔ اس سے میرا مطلب یہی ہے۔ اس حدیث میں باکرہ اورثیبہ کے تجربہ وعدم تجربہ کا ایک حدتک پتہ بھی چلتا ہے۔ اسی وجہ سے ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

والبکر تستاذن اور الشیب احق بنفسھا من ولیھا

اوراگر بالفرض محال موافق فرمان مولانا صاحب ان کے نقصان عقل کو تسلیم کرلیں توپھر ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ عورت کی رضا مندی کیوں مقدم رکھی گئی ہے۔ اور وہ اولیاء سے اس کے خلاف منشاء بھی کیوں مجبور و مقھور نہیں ہوتی۔ جب اس طرح نہیں تو یہ بھی ہر گز نہیں ہوسکتا۔ کہ زاتی اور نفسی معاملہ میں نظیرا مسئلہ شہود پش کیا جائے اور نقصان عقل کی مثال دی جائے۔ اس بحث کے بعد میں یہ عرض کرو ںگا۔ کے ان امور متناذعہ کا تصفیہ امام دائود ظاہری رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر بطور کافی ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ میں نے پرچہ 29 نومبر 1912ء میں عرض کردیا ہے۔ کہ دو احادیث کی تطبیق سے تیجہ صاف نکلتا ہے۔ کہ باکرہ اپنی کم سنی اوراپنے ماں باپ کے لاڈ پیار اورعدم تجربہ کے لہاظ سے گو اس کی بھی اجازت چاہیے۔ جو محض سکوت پر مبنی ہے۔ مگر دل کی شرط ضرور ہے۔ جس میں لانکاح الا بولی۔ ولبکر تستاذن۔ فرمان نبوی ﷺ کی تعمیل ہوجاتی ہے۔ ارثیبہ بوجہ اس کے کہ وہ پہلے خاوند کی سر دو گرم طبعیت سے واقف ہے اور وہ اپنی ذات کےلئے خوب انتخاب کر سکتی ہے۔ جو الثیب احق بنفسھا من ولیھا کو شامل ہے۔ محدثین کی شان یہ ہے کہ جب احادیث دو معنی پر ایک ہی نوعیت کی ہوں۔ تو اس میں تطبیق دی جائے۔ مگر مولانا نے تطبیق کا لہاظ نہ فرمایا ناظرین اخبار 29 نومبر 1913ء کو جس میں میرا پہلا مضمون ہے۔ اس مضمون کے ساتھ پڑھیں۔ خدا نے زندہ رکھا تو ان شاء اللہ اس پرااور روشنی ڈالی جائے گی۔ فقط۔ راقم ابو نعیم۔ محمد عبد العظیم حیدر آبادی)(اہلحدیث 5 ربیع الثانی 1331ہجری)

ھذا ما عندي واللہ أعلم بالصواب

فتاویٰ ثنائیہ امرتسری

جلد2ص 277

محدث فتویٰ